اِسلام اور ریاست

مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

قرآن کریم کی سورۂ بقرہ کی آیت 208 میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ''اے ایمان والو! اِسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ''۔

اس ارشادِ ربانی کا واضح اور دوٹوک مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم کا اپنے ماننے والوں سے یہ مطالبہ ہے کہ وہ مسجد سے لے کر بازار اور میدانِ کارزار تک طریق عبادت سے لے کر انٹرنیٹ اور ہوائی جہاز کے استعمال تک، غسل، وضو، طہارت وغیرہ کے جزوی مسائل سے لے کر اجتماعیات، معاشیات، سیاسیات اور بین الاقوامی تعلقات کے بڑے سے بڑے مسائل تک قرآنِ کریم اور اسلام سے رہنمائی حاصل کریں اور اس کے طے کردہ خطوط کے مطابق زندگی گزاریں۔

''مذہب کی دنیا سیاست و ریاست کی دنیا سے بالکل الگ تھلگ ہے اور مذہب خدا اور بندے کے درمیان انفرادی تعلق کا نام ہے'' یہ خیال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی لوگوں کے ذہن میں موجود تھا اور آج بھی بعض لوگ اپنی مصلحتوں کے تحت اس سوچ کو عام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ملک کے معروف قومی روزنامہ ''جنگ'' میں ''اسلام اور ریاست: ایک جوابی بیانیہ'' کے عنوان سے ایک صاحبِ قلم دانشور نے مفصل مضمون تحریر فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ''یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے کہ ریاست کا بھی کوئی مذہب ہوتا ہے اور اس کو بھی کسی قرارداد مقاصد کے ذریعے سے مسلمان کرنے اور آئینی طور پر اس کا پابند بنانے کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس میں قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنایا جائے گا'' (روزنامہ ''جنگ'' ۲۲ر جنوری ۲۰۱۵ء)

ملک کے ممتاز عالم دین حضرت مولانا [redacted] تقی عثمانی نے اس طویل مضمون میں پائے جانے والے تضادات اور

اشکالات کا نہایت مدلل، واضح اور اختصار و جامعیت کے ساتھ عالمانہ جواب دیا ہے (ملاحظہ ہو ''جنگ'' ۲۶ر جنوری ۲۰۱۵ء)۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جواب کے بعد کسی مزید توضیح کی ضرورت یا کوئی تشنگی محسوس نہیں ہوتی تاہم حضرت مولانا محمد تقی عثمانی کے فاضلانہ جواب کے بعد یہ طالب علمانہ تحریر محض اس لئے ہے کہ اگر کوئی عام قاری مذکورہ بالا پُر مغز مضمون کو کماحقہٗ نہیں سمجھ سکا تو وہ حضرت ہی کی بات کو قدرے عام فہم انداز میں سمجھ لے۔

چنانچہ گزارش ہے کہ جس طرح زمین و آسمان کا خالق ایک ہے اسی طرح مذہبی و سیاسی اقتدار کا سرچشمہ بھی اسی کی ذات ہے۔ فیصلہ کرنے اور فرمان روائی کا حق خالق کائنات کے سوا کسی کا نہیں۔ ارشاد ہے: ﴿ان الحکم الا للّٰہ﴾ (یوسف:۴۰) ''حکم نہیں ہے مگر صرف اللہ کے لئے''۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿الا لہ الخلق والامر﴾ (الاعراف:۵۴) ''خبردار پیدا بھی اللہ نے کیا ہے اور حکم بھی اسی کا چلے گا''۔ حتیٰ کہ جو حکمران اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں ان کے بارے میں فرمایا گیا ''اور جو لوگ فیصلہ نہ کریں اس قانون کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا ہے تو ایسے لوگ ظالم/ فاسق/ کافر ہیں۔ (المائدہ:۴۴)

مذہب اور ریاست کی وحدت کے سلسلے میں ہمیں سیرت نبوی علیہ السلام کا ایک ایسا واقعہ ملتا ہے جو اس بات کی قطعی وضاحت کر دیتا ہے کہ مذہب و سیاست یا اسلام اور ریاست میں کوئی مغایرت نہیں دونوں ایک سکے کے دو رُخ ہیں، انہیں الگ الگ دائروں میں تقسیم کرنا دراصل اسلام میں اباحیت و خود پسندی اور بے عملی کا دروازہ کھولنا ہے۔

سیرت ابن ہشامؒ کے مطابق قبیلہ بنو عامر کا سردار بحیرہ بن فراس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تحریک کو دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور اس کی دُور رس نگاہوں نے تاڑ لیا کہ اسلامی انقلاب کی یہ تحریک جس رُخ اور نہج پر چل رہی ہے اس کی وسعت اور کامیابی یقینی ہے اور یہ کامیابی ہمہ گیر اور ہمہ جہت ہوگی، اس سے معاشرے کے تمام پیمانے اور معیار بدل جائیں گے، چنانچہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سودے بازی کی کوشش کی اور ''کچھ لو اور کچھ دو'' کے اصول پر بات کرنی چاہی۔ اس نے کہا: ''جب آپ کو اپنے مخالفین پر فوقیت اور قبضہ حاصل ہو جائے تو آپ سیاسی اقتدار ہمارے حوالے کر دیں اور مذہبی رہنمائی کے منصب پر خود فائز رہیں'' یہی وہ مقام تھا جہاں اسلام کی جامعیت کو واضح ہونا تھا اور جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تحریک کا بنیادی مقصد اور حقیقی نصب العین دوٹوک الفاظ اور بے لاگ انداز میں بیان فرمانا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں اگر مذہب کا کوئی محدود تصور ہوتا یا محض روحانی اصلاح پیش نظر ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلا تردد فرما دیتے کہ مجھے اقتدار کے بکھیڑوں سے کیا واسطہ؟ یہ دنیا اور اہلِ دنیا کا کام ہے، وہ جانیں اور اُن کا کام جانے، لیکن یہاں اس سوچ کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مُبہم الفاظ میں فرمایا ''اقتدار کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہ جس کے قبضہ میں

چاہے، رکھے گا'' اسی ایک فقرے سے دین کی جامعیت اور اسلامی انقلاب کا مزاج سمجھ میں آجاتا ہے یعنی ایک تو اقتدار واختیار اور حاکمیت کا حقیقی سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس پر کسی فرد یا خاندان کا موروثی حق نہیں اور دوسرے یہ کہ نوعِ انسانی کی دینی ودنیوی اصلاح وفلاح کا مرکز بھی ایک ہی ہے، یہ نہیں کہ مذہبی رہنمائی، مصلحین کا کام ہے اور سیاسی اقتدار بادشاہوں کا مقدر ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عہد نبوت میں مسلمانوں کے لئے محض ایک پیرومرشد اور واعظ نہیں تھے بلکہ عملاً ان کی جماعت کے قائد، رہنما، حاکم، قاضی، شارع، مُربی اور مُعلّم سب کچھ تھے۔ مسلم سوسائٹی کی پوری تشکیل آپ ہی کے بتائے، سکھائے اور مقرر کئے ہوئے طریقوں کے مطابق ہوتی تھی۔ اس لئے کبھی یہ نہیں ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز روزے یا مناسک حج کی جو تعلیم دی صرف وہی مسلمانوں میں رواج پاگئی ہو اور باقی باتیں محض وعظ وارشاد سمجھ کر نظرانداز کردی گئی ہوں بلکہ فی الواقع جو کچھ ہوا وہ یہ تھا کہ جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی نماز فوراً مسجدوں میں رائج ہوگئی، اسی طرح شادی بیاہ اور طلاق وورراثت کے متعلق جو قوانین آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائے انہی پر مسلمان خاندانوں میں عمل شروع ہوگیا، لین دین کے جو ضابطے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کئے انہی کا بازاروں میں چلن ہوگیا، مقدمات کے جو فیصلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئے وہی ملک کا قانون قرار پائے، لڑائیوں میں جو معاملات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کے ساتھ اور فتح پاکر مفتوح علاقوں کی آبادی کے ساتھ کئے وہی مسلم مملکت کے ضابطے بن گئے اور فی الجملہ اسلامی معاشرہ اور اس کا نظامِ حیات اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ انہی سنتوں پر قائم ہوا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رائج فرمائیں۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلفاء راشدین نے یہ نہیں کیا کہ خود جہاد وجہانبانی میں مشغول ہوگئے ہوں اور عامۃ الناس کو آزاد چھوڑ دیا ہو کہ ہر شخص خود دین پر عمل کرتا رہے کہ یہ اس کا خدا کے ساتھ انفرادی معاملہ ہے بلکہ خلفاء راشدین نے دین کی روح کے مطابق انفرادی واجتماعی، خانگی ومعاشرتی اور ذاتی وحکومتی سطح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے نظام کو پوری قوت سے نافذ کیا حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بات کی نگرانی بھی فرماتے تھے کہ صبح کی نماز کس کس شخص نے جماعت سے نہیں پڑھی اور کیوں؟

آج کے مصلحت بیں اس ارشادِ خداوندی سے صَرفِ نظر کرلیں تو ممکن ہے مگر خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے پیش نظر ہر وقت یہ ارشاد رہتا تھا کہ ''یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار عطا کریں تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور بدی سے روکیں گے۔ (الحج:۴۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی مسلمان فرد یا جماعت کو کسی خطہ میں اقتدار عطا فرمائیں تو اس کا فرض ہے کہ وہ

اسلام کے اس اصلاحی نظام کو مملکت کے تمام ذرائع سے عمل میں لائے جو اس نے انسانیت کی فلاح کے لئے پیش کیا ہے۔ گویا محض اس کا قیام، محض قومی سرحدوں کی حفاظت، محض عوام کے معیارِ زندگی کو بلند کرنا اسلامی ریاست کا آخری اور انتہائی مقصد نہیں، اس کی امتیازی خصوصیت جو اسے غیر مُسلم ریاستوں سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ان بھلائیوں کو فروغ دینے کی کوشش کرے جن سے اِسلام انسانیت کو آراستہ کرنا چاہتا ہے اور اُن برائیوں کو مٹانے اور دبانے میں اپنی ساری طاقت خرچ کردے جن سے اسلام انسانیت کو پاک کرنا چاہتا ہے۔

مذہب اور ریاست کو الگ الگ خانوں میں بانٹنے والوں کے لئے پوری اُمت کا اجماع معیار ہونا چاہئے۔ پوری اُمت نے دورِ خلافتِ راشدہ کو روشنی کا ایسا مینار قرار دیا ہے جس کی طرف بعد کے تمام ادوار میں فقہاء ومحدثین اور عام دیندار مسلمان ہمیشہ دیکھتے رہے اور اسی کو اِسلام کے مذہبی، سیاسی، اخلاقی اور اجتماعی نظام کے معاملہ میں معیار سمجھتے رہے اور اسی سے یہ بھی واضح ہوگیا ہے کہ ''خلافت'' ایک اسلامی اصطلاح ہے اور نظامِ خلافت کے قیام اور نظامِ باطل کی جگہ نظامِ حق قائم کرنے کے لئے جدوجہد کرنا ہر کلمہ گو کی ذمہ داری ہے۔

''مذہبی بیانیہ'' میں اٹھائے گئے دیگر نکات کا مفصل ومدلل جواب حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دے چکے ہیں، اس لئے ہم نے اپنی گفتگو کو اسلام اور ریاست کے تعلق کی حد تک محدود رکھا ہے، اور یہی اس مضمون کا مرکزی نکتہ ہے۔

☆.....☆.....☆

حضرت گنگوہیؒ کا خواب اور اس کی تعبیر

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے اپنے پہلے سفرِ حج کے دوران مکہ مکرمہ میں خواب دیکھا تھا کہ:

(حضرت مولانا کی) چار انگلیوں سے خون جاری ہے، دو سے بکثرت، تیسری سے کم، چوتھی سے کچھ اور کم''۔

حضرت نے یہ خواب حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی سے عرض کیا، (جو اس وقت مکہ مکرمہ میں موجود تھے) اور اس کی تعبیر چاہی، حضرت مولانا مظفر حسین نے فرمایا:

''تمہاری چاروں نسبتیں جاری ہوں گی، دو کا جریان بہت زیادہ ہوگا''۔

حضرت مولانا اس خواب کو نقل کرنے کے بعد (آخر عمر میں) فرمایا کرتے تھے:

''اس وقت سے منتظر ہوں، مولوی مظفر حسین صاحب زندہ ہوتے تو کہتا کہ آپ نے ہی تعبیر فرمائی تھی، لیجیے اب کچھ کیجیے''۔

(تذکرۃ الرشید: ۱/۲۰۶)